Open Access
Al-Marjān Research Journal
ISSN(E): 3006-0370
ISSN(P): 3006-0362
al-marjan.com.pk

Goldziher's Orientalist Perspective and a Critical Analysis of His Book 'Madhāhib al-Tafsīr al-Islāmī

گولڈزیہر کا مستشرقانہ طرزِ فکر اور اس کی کتاب مذاہب التفسیر الاسلامی کا علمی وتنقیدی تجزیہ

Authors Details

1. Hāfiẓ ʿAbd al-Quddūs(Corresponding Author)

Ph.D. Scholar, Institute of Islamic Studies, University of Punjab, Lahore, Pakistan; Lecturer, Department of Arabic and Islamic studies, The University of Lahore (UOL),Lahore, Pakistan; Graduate, Islamic University of Madinah, Saudi Arabia. hafizaq222@gmail.com

Citation

ʿAbd al-Quddūs, Hāfiẓ " Goldziher's Orientalist Perspective and a Critical Analysis of His Book 'Madhāhib al-Tafsīr al-Islāmī."Al-Marjān Research Journal, 2, no.3, Oct-Dec (2024): 333– 349.

Submission Timeline

Received: Sep 16, 2024
Revised: Oct 06, 2024
Accepted: Oct 27, 2024
Published Online: Nov 09, 2024

Publication, Copyright & Licensing

Article QR

Al-Marjān Research Center, Lahore, Pakistan.

All Rights Reserved © 2023.

This article is open access and is distributed under the terms of Creative Commons Attribution 4.0 International License

INDEX COPERNICUS INTERNATIONAL | ISSN INTERNATIONAL STANDARD SERIAL NUMBER INTERNATIONAL CENTRE | HJRS HEC Journal Recognition System

Goldziher's Orientalist Perspective and a Critical Analysis of His Book 'Madhāhib al-Tafsīr al-Islāmī

گولڈزیہر کا مستشرقانہ طرزِ فکر اور اس کی کتاب مذاہب التفسیر الاسلامی کا علمی و تنقیدی تجزیہ

*حافظ عبدالقدوس

Abstract

Ignaz Goldziher, a prominent Orientalist, played a pivotal role in critiquing Islamic sciences, particularly Quranic exegesis. His book *Madhāhib al-Tafsīr al-Islāmī* reflects his efforts to question the authenticity of Islamic interpretative traditions. Goldziher, widely regarded in Western academia for his scholarly rigor, adopted an approach that intertwined academic inquiry with a subtle bias against Islamic sources. His critiques targeted the reliability of Quranic and Hadith interpretations, aiming to create doubts about their sanctity and historical validity. This research critically examines Goldziher's Orientalist methodology, exploring his educational background, intellectual influences, and biases against Islam. The study highlights how his selective use of Islamic sources and prejudiced analysis served to undermine the credibility of Islamic scholars and their works. While his efforts were framed as scholarly contributions, they often perpetuated misconceptions and fueled skepticism about Islamic teachings. The paper further discusses the broader agenda of Orientalism, showing how it aimed to erode confidence in Islamic traditions through intellectual challenges. It concludes that defending Islamic sciences requires a thorough understanding of Islamic epistemology, reliance on authentic sources, and a balanced response to such critiques. By exposing the flaws in Goldziher's arguments, this study reinforces the resilience of Islamic sciences against external critiques and underscores the need for robust academic defenses.

Keywords: Goldziher, Orientalism, Islamic Sciences, Quranic Exegesis, Madhāhib al-Tafsīr al-Islāmī.

تعارف موضوع

اگناز گولڈزیہر، ایک نمایاں مستشرق، انیسویں صدی میں اسلامی علوم پر تنقیدی رویے کے ساتھ ابھرے۔ ان کی کتاب مذاہب التفسیر الاسلامی کو مستشرقین کے دائرۂ فکر میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ گولڈزیہر نے اسلامی تفسیری علوم کو تنقید کا نشانہ بنایا اور مسلمانوں کے دینی ورثے پر سوالات اٹھائے۔ ان کے اعتراضات کا مقصد قرآن و حدیث کی استنادی حیثیت کو کمزور کرنا اور مسلمانوں میں تشکیک پیدا کرنا تھا۔ یہ تحقیق

* پی ایچ ڈی اسکالر، انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، پاکستان؛
لیکچرار، شعبۂ عربی و اسلامیات، یونیورسٹی آف لاہور (یو او ایل)، لاہور، پاکستان؛ فاضل، جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ، سعودی عرب۔

گولڈزیہر کی فکر اور ان کی کتاب کے اہم نکات کو بیان کرتے ہوئے ان کے اعتراضات کا تنقیدی جائزہ پیش کرتی ہے۔ مستشرقین کی عمومی روش، جیسا کہ گولڈزیہر کے کام میں نظر آتی ہے، یہ رہی ہے کہ وہ اسلامی مصادر و شخصیات کو تعصب کی بنیاد پر نشانہ بناتے ہیں۔ اس تحقیق میں گولڈزیہر کی فکر کو اسلامی روایات کی روشنی میں پرکھا گیا ہے اور ان کے اعتراضات کے مدلل جوابات فراہم کیے گئے ہیں۔

گولڈزیہر کا تعلیمی وفکری تعارف

ایگناز گولڈزیہر ایک جرمن یہودی ہیں جن کی پیدائش 22جون 1850کو ہوئی، ابتدائی تعلیم بودباست یاہنگری سے حاصل کی جہاں انہوں نے مشہور مستشرق ومبیری سے استفادہ کیا بعد ازاں گولڈزیہر جرمن یونیورسٹی لاہپیزک گئے وہاں مشہور عربی دان پروفیسر فلاہشر سے تعلیم حاصل کی اور اسی کی نگرانی میں 1870میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی بعد ازاں شوق مطالعہ نے گولڈزیہر کو مصروشام کے سفر پر ڈال دیا یہاں تک کہ شیخ طاہر الجزائری اور جامعہ ازہر سے بھی علم حاصل کیا۔ گولڈزیہر ان پانچ مستشرقین میں سے ہیں جنہوں نے دنیا میں تشکیک کے میدان میں سب سے زیادہ کام کیا ہے بالخصوص مغرب کو اسلام پر اعتراضات کی زبان سمجھائی ہے بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ گولڈزیہر بابائے مستشرقین ہیں۔ جناب کے تعارف میں مزید یہ کہ آٹھ سال کی عمر میں تلمود سیکھی، بہت سے محققین اس بات کو نہیں جانتے اور نہ ہی اس کا ذکر کرتے ہیں یہاں تک کہ بعض نے تو انہیں ایک بڑا منصف بھی بیان کیا ہے جبکہ بعض کے نزدیک گولڈزیہر ایک متعصب، اسلام کے لیے سینے میں بغض اور حسد چھپائے ہوئے ہے جسے انہوں نے اپنی تحریروں میں واضح بھی کیا ہے جیسا کہ مصطفی یوسف لکھتے ہیں:

> ان جولد تسيهر لم يستطع ان يرتقي الى مستوى الموضوعية والحيادية في دراسته للاسلام بل كان متحيزا حاقدا متعصبا[1]

بلکہ صرف یہی مستشرق نہیں بلکہ تمام مستشرقین کا یہ طرز رہا ہے کہ وہ پہلے علمی و تحقیقی ہونے کا شور ڈالتے ہیں اور بعد ازاں تعصب کے زیر اثر باقاعدہ مسلمانوں کے دلوں میں تشکیک پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ذہانت ہونے کے ساتھ ساتھ انہیں جو حلقہ میسر آتا ہے وہ میڈیائی پزیرائی میں ان کا خاص معاون ہوتا ہے۔ چناچہ قلم نگار ان پر حکم لگانے میں جلد بازی کا مظاہرہ نہیں کرنے والا بلکہ پہلے ان کے شبہات کا ان ہی کی کتب سے نقل کر کے اس کے تنقیدی پہلوؤں کا جائزہ لے گا۔

استشراق کی تفہیم

لفظ استشراق کی اصل شرق ہے اور یہ باب استفعال سے مصدر ہے جس میں طلب کے معنی پائے جاتے ہیں اگر اس کا اردو ترجمہ کیا جائے تو شرق شناسی مراد ہوگا اگر اس کا انگلش میں ترجمہ کیا جائے تو Orientalism ہوگا اور لاطینی میں Orient ہوگا جس کا مطلب ہے کسی چیز کے بارے تحقیق کرنا۔ یہ لفظ پہلے غیر عربی لفظ یعنی اورینٹل سے ہی مستعمل تھا بعد ازاں یہ اسلام کے مطالعہ کے لیے استشراق کے ساتھ مستعمل ہونے لگا۔

[1] Muṣṭafā Yūsuf, *Al-Qur'ān wa Shubuhāt* (Miṣr: Maktabah Khātījī, 1955), p. 40.

محققین کے ہاں استشراق کے صحیح مفہوم کے حوالے سے مختلف آراء پائی جاتی ہیں، اہل اسلام محققین کے ہاں استشراق کا معنی یہ ہے کہ اہل مغرب کا مشرقی اسلامی علوم حاصل کرنا کہ وہ اس پر نقد کر سکیں اور اسلام قرآن اور پیغمبر اسلام کے حوالے سے اپنے موقف کی وضاحت کر سکیں۔ در اصل یہ تحریک مسیحی گروہوں سے شروع ہو چکی تھی جب وہ صلیبی جنگجو میں مغلوب ہو چکے تھے انہیں اپنے عقائد و نظریات کے مسلمانوں کے ہاتھوں زائل ہو جانے کا اندیشہ تھا تو انہوں نے تنقید کی غرض سے اپنے لوگوں کو اسلام سیکھنے کے لیے اتارا، بعض محققین کے نزدیک تحریک استشراق کا آغاز فتح اندلس سے ہوا ہے اور اس کے علاوہ بھی اقوال موجود ہیں۔ لہذا جب ہم استشراق کا لفظ بولتے ہیں تو اس سے یہ مراد نہیں ہوتی کہ فلاں مستشرق چینی، ہندی یا دیگر مشرقی غیر اسلامی علوم سیکھنے والا بلکہ اس اصطلاح سے مراد یہ ہی ہوتی ہے کہ اسلامی علوم سیکھنے والا۔ بہر حال تحریک استشراق کی ابتدا کے حوالے سے مختلف آراء موجود ہیں۔

ڈاکٹر احمد عبد الرحیم کے نزدیک استشراق ایک آئیڈیالوجی کا نام ہے جس کا ایک خاص مقصد ہوتا ہے کہ وہ اپنے پہلے سے طے شدہ خاص قسم کے تصورات کو رائج کرتے ہوئے بعض اذہان میں تشکیک پیدا کریں۔ وہ لکھتے ہیں:

"ولكن يمكن القول إن الاستشراق فى دراسته للإسلام ليس علما بأىّ مقياس علمى، وإنما هو عبارة عن أيديولوجية خاصة يراد من خلالها ترويج تصورات معينة عن الإسلام، بصرف النظر عما إذا كانت هذه التصورات قائمة على حقائق أو مرتكزة على أوهام وافتراء ات[2]۔

یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ استشراق اسلام کے مطالعے کے لحاظ سے کسی خاص علم کا نام نہیں ہے بلکہ یہ ایک خاص آئیڈیالوجی ہے جس کا مقصد خاص قسم کے نظریات کی نشر و اشاعت ہے اگرچہ وہ نظریات حقائق پر مبنی ہوں یا جھوٹ اور وہم پر۔

گولڈزیہر کی کتاب مذاہب التفسیر الاسلامی کی تصنیف اور اس کا مقصد

گولڈزیہر کی یہ کتاب اس کی زندگی کے مطالعے کا نچوڑ ہے اس لیے کہ یہ سب سے آخر میں لکھی جانے والی ہے۔ اس کتاب میں گولڈزیہر نے تفسیر، حدیث، عقائد، قراءات، تصوف اور فرق وغیرہ پر کافی بحث کی ہے البتہ بطور خاص جن تفسیری موضوعات پر بحث کی گئی ہے ان میں تفسیر بالماثور، تفسیر فی ضوء العقیدہ، تفسیر فی ضوء التصوف، تفسیر فی ضوء التمدن الاسلامی، تفسیر فی ضوء الفرق الدینی شامل ہیں۔ اس کتاب کا عربی ترجمہ ڈاکٹر عبد الحلیم النجار نے کیا ہے جو ۱۹۵۵ کو قاہرہ مصر سے شائع ہوا۔ اس کتاب میں دیے گئے عنوان کے مطابق تمام تفسیری مذاہب کا احاطہ نہیں کیا گیا جیسا کہ تفسیر فقہی، تفسیر بیانی، تفسیر بلاغی، اعجاز قرآنی وغیرہ۔ چناچہ اسی وجہ سے اس کتاب کا تفاسیر پر علمی مناقشے کا دعوی صرف دعوی ہی رہ جاتا ہے جسے صاحب کتاب ثابت کرنے سے قاصر ہے۔

[2] *Islām aur Mustashriqīn*, Jāmiʿ al-Kutub al-Islāmiyyah, 1:4. https://ketabonline.com/ur/books/1013020/read?page=4&part=1#p-1013020-4-2

یہ بات یاد رہنی چاہیے کہ تنقیدی موضوعات میں ایسی روش قابل قبول نہیں ہوتی، گولڈزیہر کا یہ رویہ ظاہر کرتا ہے کہ انہوں نے یہ کام سہواً نہیں کیا بلکہ تعصب کے زیر اثر بطور یہودی مسلم دماغوں میں تشکیک پیدا کرنے کی غرض سے کیا ہے۔ اس بات کا ثبوت گولڈزیہر کے حضرت ابن عباس پر کیے گئے اعتراضات سے ہوتا ہے جن کی وضاحت زیر قلم لائی جائے گی۔

گولڈزیہر کے نزدیک قرآن مجید

اپنی کتاب کے آغاز میں گولڈزیہر نے پیٹر ویرن فیلس کا یہ مقولہ نقل کیا ہے جسے پیٹر نے انجیل کے متعلق لکھا تھا

كل امرى، يطلب عقائده في هذا الكتاب المقدس ،وكل امرى. يجد فيه على وجه الخصوص ما يطلبه

کہ ہر شخص اپنے عقائد کو اپنی خواہشات کے مطابق اس کتاب میں تلاش کر سکتا ہے اور ہر شخص اپنی خواہش کے مطابق وہ سب پا سکتا ہے جسے وہ اپنے لیے حق سمجھتا ہے۔

گولڈزیہر کا یہ مقولہ قرآن کے متعلق پیش کرنا اس کے طرف دار ہونے کا ثبوت ہے کہ وہ قرآن اور انجیل کی اسنادی حیثیت کو ایک پلڑے میں رکھ رہے ہیں جب کہ توراۃ کو دوسرے میں حالانکہ انہوں نے توراۃ کے اصلی مصادر کو پایا ہی نہیں۔

پھر وہ اس قول کے ذریعے یہ ثابت کرنا چاہتا ہیں کہ ہر مفسر نے اپنی خواہشات کے بیان و فروغ کے لیے قرآن کو استعمال کیا ہے اور جس نے جو بھی لکھا اس نے قراءات کا سہارا لے کر قرآن کو اپنے مقصد کے تحت پھیر لیا اور اپنا موقف ثابت کیا۔ اگر تنقیدی اصولوں کو دیکھا جائے تو قرآن سے متعلقہ تمام علمی لٹریچر کو احاطے میں لائے بغیر چند ایک تفاسیر کو منتخب کر کے طرفداری اور تعصب پر مشتمل تجزیہ کر کے ابتدا میں ہی یہ شعر لکھ دینا نقدی اصولوں کے خلاف ہے۔

مندرجہ ذیل عبارت گولڈزیہر کے قرآن سے متعلق نظریے کو مزید واضح کرتی ہے

فكل تيار فكرى بارز في مجرى التاريخ الإسلامي ، زاول الاتجاه إلى تصحيح نفسه على النص المقدس ، وإلى اتخاذ هذا النص سنداً على موافقته للإسلام ، ومطابقته لما جاء به الرسول [عليه الصلاة والسلام] . وبهذا وحده كان يستطيع أن يدعى لنفسه مقاماً ، وسط هذا النظام الديني ، وأن يحتفظ بهذاالمقام .

هذا الاتجاه ، وتعاطيه للتفسير ، كان بطبيعة الحال هو المنبت لكتابة تفسير مذهبى سرعان مادخل في طور المنافسة مع التفسير السطحى البسيط .ومقصد البحوث التالية هنا أن تبين تبياناً مفصلاً : على أي وجه ، وإلى أي مدى من النجاح اتجهت المذاهب الدينية في تاريخ الإسلام ، إلى تحقيق ذلك تتمثل المرحلة الأولى لتفسير القرآن ، وأوائل هذا التفسير المشتملة على البذورالصالحة ، في إقامة النص نفسه . فلا يوجد كتاب تشريعي ، اعترفت به طائفة

دينية اعترافاً عقديا على أنه نص منزل أو موحى به ، يقدم نصه في أقدم عصور تداوله مثل هذه الصورة[3]

"لہٰذا، اسلامی تاریخ کے دھارے میں ہر نمایاں فکری رجحان نے مقدس متن پر خود کو درست کرنے اور اس متن کو اپنے موقف کی تائید کے لیے بطور سند استعمال کرنے کی کوشش کی۔ اس کے ذریعے ہی وہ اپنے لیے اس دینی نظام کے تحت ایک مقام کا دعویٰ کر سکتا تھا اور اس مقام کو برقرار رکھ سکتا تھا۔ یہ رجحان، اور تفسیر کے لیے اس کا رویہ، فطری طور پر ایک ایسے مکتبی تفسیر کے وجود کا سبب بنا جو جلد ہی سادہ اور سطحی تفسیر کے ساتھ مقابلے میں آ گیا۔ یہاں پیش کیے گئے تحقیقی مقاصد اس امر کی وضاحت کے لیے ہیں کہ مختلف مذہبی مکاتبِ فکر نے اسلامی تاریخ میں کس طرح اور کس حد تک کامیابی کے ساتھ قرآن کی تفسیر میں اپنی ترجیحات کو شامل کیا۔ قرآن کی تفسیر کے ابتدائی مراحل اور اس کی وہ اولین صورتیں جو موزوں بنیادوں پر مشتمل تھیں، قرآن کے متن کو قائم کرنے میں نظر آتی ہیں۔ کسی بھی مذہبی گروہ کے تشریعی متن، جسے عقیدے کے ساتھ وحی یا منزل تصور کیا جاتا ہے، کے بارے میں یہ کہنا ممکن نہیں کہ اسے اس قدر قدیم دور میں اتنے مکمل اور مرتب انداز میں پیش کیا گیا ہو جتنا کہ قرآن کے معاملے میں ہوا۔"

گولڈ زیہر کے نزدیک سب سے زیادہ مضطرب مصادر قرآن کے ہیں کہ اس کے اثبات میں صادر ہونے والی روایات مختلف ہیں جیسے کہ سبعہ احرف پر مشتمل روایات، قراءات مشہورہ کا ہونا اسی طرح قرآن کے نقاط حرکات و سکنات کا نزول وحی کے ایک عرصہ گزر جانے کے بعد انتظام ہونا وغیرہ۔

قرآنی مصادر کا دیگر کتب سماویہ سے موازنہ

گولڈ زیہر نے سابقہ کتب سماوی کو ان کے اصل مصادر میں نہیں دیکھا تو پھر وہ قرآن کا موازنہ ان سے کیسے کر سکتے ہیں پھر یہ کہنا کہ سب سے زیادہ اضطراب قرآن میں ہے یہاں تک کہ تورات و انجیل سے بھی زیادہ تو یہ موازنہ مختلف پہلوؤں سے غلط ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ تورات و انجیل کے صحائف کی نسبت مختلف گروہوں کی طرف ہے اور وہ تمام گروہ بھی کسی ایک پر متفق نہیں ہیں جیسے کہ انجیل برناباس، یوحنا، لوقا، متی وغیرہ جبکہ قرآن کی نسبت صرف ایک شخصیت کی طرف ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں، خود گولڈ زیہر بھی قرآن کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف کرتے ہیں۔ چناچہ اس اعتبار سے گولڈ زیہر کا یہ کہنا کہ قرآن میں سب سے زیادہ اضطراب ہے درست نہیں ٹھہرتا۔

اسی طرح ہی گولڈ زیہر نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اس قرآن کی قراءات مختلف ہیں اور روایات میں اختلاف ہونے کی وجہ سے قرآنی متن قابل اعتبار نہیں رہتا لیکن تلمود کے بارے میں وہ یہ کہتے ہیں کہ وہ ایک وقت میں مختلف لغات میں نازل ہوئی ہے تو ایک کو صحیح مان لیا ہے اور ایک کو مضطرب تو یہ انصاف کے کیسے قریب تر ہو سکتا ہے۔

---

[3] Ignāz Goldziher, *Maḏāhib al-Tafsīr al-Islāmī* (Qāhirah: Maktabah Khāṭījī, 1955), p. 1.

اضطراب اور عدم اثبات کا معنی

نص میں اضطراب اور عدم اثبات کا معنی ہوتا ہے کہ نص ایسے مختلف پہلوؤں سے مروی ہو کہ ان تمام روایات کا آپس میں اختلاف ہو یا نص کے اندر تناقض پایا جاتا ہو جبکہ قرآن میں تو ایس اقطعا نہیں ہے اس کی روایات بھی تواتر پر مبنی ہیں اور ان میں کسی قسم کا کوئی اختلاف بھی نہیں بلکہ اس کا اقرار خود گولڈزیہر نے بھی کیا ہے۔

گولڈزیہر کا یہ اعتراض بھی ہے کہ متن قرآن ایک نہیں بلکہ ایک متن پر جمع کرنے کے لیے مصحف عثمان کو گھڑا گیا ہے جیسا کہ وہ کہتا ہے

> **وفی جمیع الشوط القدیم للتاریخ الاسلامی لم یحرزالمیل الی توحید العقدی للنص الی انتصارات طفیفة**[4]

> حالانکہ یہ بات کوئی ثابت ہی نہیں کر سکتا کہ قرآن کے ایک متن پر جمع کرنے کیے لیے کوشش کی گئی ہے بلکہ سبعہ احرف پر تو متواتر احادیث اللہ کے رسول ﷺ سے مروی ہیں جب رسول اللہ سے تواتر کے ساتھ سبعہ احرف پر احادیث کی کثیر تعداد موجود ہے تو یہ کیسے کہا جا سکتا ہے ایک نص پر جمع کرنے کی کوشش ہوتی رہی ہے بلکہ خود گولڈزیہر نے بھی یہ لکھا ہے کہ مسلمانوں نے قراءات کا علم مختلف روایات سے لیا جن پر اس کی طویل بحث بھی موجود ہے۔

گولڈزیہر نے ایسی احادیث کے بھی تشکیکی انداز میں حوالے دیے ہیں جن میں صحابہ کرام کے پاس موجود مصاحف کا آپس میں اختلاف تھا، اسی طرح سبعہ احرف پر قرآن کی تلاوت میں قاری کے اختیار کے حوالے سے ابن شنبوذ اور ابو بکر العطار المقری کے واقعات کا تذکرہ کیا ہے کہ ان کی رائے دیگر قراء سے مختلف ہونے پر قراء کے ہاں انہیں ناپسندیدگی کا سامنا تھا۔

لغوی طور پر قرآنی الفاظ پر بحث کرنے کے لیے مبرد اور ابو العلاء المعری اور صاحب کشاف کے اقوال نقل کیے ہیں اور یہ ظاہر کیا ہے کہ قرآنی متن میں اصلاح کی گنجائش موجود تھی گویا کہ گولڈزیہر کے نزدیک متن قرآنی لغوی غلطیوں سے پاک نہیں ہے

گولڈزیہر اور قراءات قرآنیہ

گولڈزیہر کے تفسیر قرآن پر اعتراضات کی حیثیت

تفسیری مذاہب کے بیان میں چند تفاسیر کا انتخاب

گولڈزیہر نے تمام تفاسیر جو اہل اسلام کے ہاں معروف و متداول ہیں احاطہ نہیں کیا یہاں تک کہ وہ ام التفاسیر جو اہل اسلام کے ہاں مرجع اول ہیں، جیسے کہ تفسیر قرطبی، فقہی تفاسیر، کتب فقہ و کتب ابو عبید زجاج و فراء وغیرہ کو بھی اپنا موضوع بحث نہیں بنایا بلکہ ان تفاسیر کو اپنا موضوع بحث بنایا جو مرجع اول کی حیثیت نہیں رکھتیں جیسے تصوف پر مشتمل تفاسیر، دینی فرقوں پر مشتمل وغیرہ آخر وہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟

---

[4] Ignāz Goldziher, *Maḏāhib al-Tafsīr al-Islāmī*, p. 5.

اس کی وجہ یہ کہ مستشر قین کے نزدیک قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے بلکہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کا مجموعہ ہے جسے وہ افتراء و اکاذیب قرار دیتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ سب انہوں نے یہود و نصاری سے سیکھا اس لیے کہ وہ سب سابقہ کتب کو جاننے والے تھے۔
تو کیا مسلمان گولڈ زیہر اور اس جیسے دیگر مستشر قین سے یہ توقع کر سکتے ہیں کہ وہ قرآن کو اللہ کا کلام ثابت کرنے کے لیے دلائل لوگوں پر ظاہر کریں ؟ نہیں ہر گز نہیں۔اس کی وضاحت زیر قلم کی جاتی ہے۔

تفسیر بالماثور گولڈ زیہر کی نظر میں

تفسیر بالماثور اہل اسلام کے ہاں وہ مقدس ترین عمل ہے جسے وہ افتراء و اکاذیب سے پاک سمجھتے ہوئے کلام اللہ کو اس کی توضیح کے ساتھ اگلی نسلوں تک منتقل کرتے ہیں اس لیے کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کے کلام میں اپنی طرف سے کوئی بات کہنے سے ڈرتے ہیں جیسا کہ صدیق اکبر کا معروف قول ہے کہ کون سی زمین مجھے پناہ دے گی کون سا آسمان مجھ پر سایہ فگن ہو گا اگر میں نے اللہ کی کتاب کے بارے ایسی بات کر دی جو میری رائے سے تعلق رکھتی یا اس کا مجھے علم ہی نہیں۔
سوال یہ ہے کہ گولڈ زیہر نے تفسیر بالماثور کو اس نظریے سے لیا ہے جسے خلیفہ اول پیش کر رہے ہیں؟
بلکہ گولڈ زیہر تفسیر بالماثور کو فقط تحریک و تشکیک کے نظریے سے پیش کر رہا ہے اور اس سے یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ تفسیر بالماثور کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنا قرآن سابقہ یہودی و نصرانی لٹریچر سے ترتیب دیا ہے جسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مکہ اور مدینہ میں موجود یہود و نصاری سے سیکھتے تھے اور اسے قرآن بنا کر پیش کرتے تھے (نعوذ باللہ من ذالک)
چناچہ گولڈ زیہر کے نزدیک تفسیر بالماثور ان قصوں اور حکایات پر مشتمل ہے جو انہوں نے یہود و نصاری سے سنے تھے۔
جیسا کہ گولڈ زیہر لکھتا ہے:

> **وفي تفسير القرآن بدا هذا النزوع إلى القصص والأساطير في دائرة خاصة، كان هناك ما ورد في الكتب السابقة من مختلف القصص التي أجملها محمد صلى الله عليه وسلم - نفسه بمنتهى الإيجاز. وأحيانا على وجه متداخل، وعن ذلك أراد المؤمنون أن يتعرّفوا خبرًا قريبا، فلا شك أنه أثار فضولهم وتطلعهم العلمي إلى حد أبعد من البيان الدقيق عن وقد طابق الطلب عرض غزير التشريعات الفقهية ، فقد وجدت طائفة من علماء الفضوليين الذين سدّوا ثغرات القرآن بما تعلموه من اتصالهم باليهود والنصارى، وأتموا ما تلقوه عنهم من القصص - التي كثيرا ما رددوها عن سوء فهم لها - بنتاج الكتاب خيالهم الخاص، وأرسلوا كل ذلك على أنه تفسير للقرآن**[5]

[5] Ignāz Goldziher, *Maḏāhib al-Tafsīr al-Islāmī*, p. 79.

"قرآن کی تفسیر میں اس رجحان کا آغاز اس طور پر ہوا کہ کچھ خاص دائرے میں کہانیاں اور افسانے شامل کیے گئے، جن میں وہ کہانیاں بھی تھیں جو پچھلی کتابوں میں آئی تھیں، جنہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خود انتہائی اختصار کے ساتھ بیان کیا تھا۔ کبھی کبھار ان کہانیوں کو ایک دوسرے میں مدغم کر دیا گیا تھا۔ اس پر ایمان رکھنے والوں کا ارادہ یہ تھا کہ وہ ان کہانیوں کے بارے میں مزید تفصیلات جانیں، اور بے شک اس نے ان کی سائنسی تجسس اور جستجو کو مزید بڑھایا۔ اس کے ساتھ ہی فقہی تشریعات کا بھرپور مطالبہ بھی موجود تھا۔ اس کے نتیجے میں کچھ فضول ذہنوں نے قرآن کی تشریح میں ان گمراہیوں کو پُر کیا جو انہوں نے یہود اور نصاریٰ سے سیکھا تھا، اور ان کہانیوں کو جو انھیں غالباً غلط سمجھ کر دہراتے رہے تھے، اپنے ذاتی تخیلات سے مکمل کیا اور اسے قرآن کی تفسیر کے طور پر پیش کیا۔"

اس عبارت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ قرآن کی ابتدائی تفسیر میں کچھ افراد نے پچھلی کتابوں سے کہانیاں اور افسانے شامل کیے، جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مختصر طور پر بیان کی تھیں۔ ان افراد نے ان کہانیوں کا غلط مفہوم پیش کیا اور ذاتی تخیل کو قرآن کی تفسیر میں شامل کیا، جس سے قرآن کی اصل حقیقت میں گڑبڑ پیدا ہوئی۔

تفسیر بالرائے گولڈ زیہر کی نظر میں

دوسرا موضوع جسے گولڈ زیہر نے تفسیر فی ضوء العقیدۃ کا نام دیا ہے یا جنہیں اہل الرائے کا مذہب کہا ہے وہ در اصل تفسیر بالرائے ہے چونکہ اس پہلے تفسیر بالماثور کے حوالے سے گولڈ زیہر نے اپنا موقف پیش کیا ہے۔

چناچہ یہ معروف ہے کہ تفسیر بالرائے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مبارک عہد میں ہی شروع ہو چکی تھی لیکن اس کے قواعد و ضوابط موجود تھے کہ یہ کتاب و سنت اور لغت عربی سے کبھی باہر نہیں گئی اور یہ بات بھی واضح ہے کہ تفسیر بالرائے کلامی اور عقدی مذاہب کے وجود میں آنے سے پہلے بیان و روایت کی جارہی تھی جبکہ گولڈ زیہر نے تفسیر بالرائے کو کلامی اور عقدی فرقوں سے جوڑ کر خیانت کی ہے۔

گولڈ زیہر کے نزدیک کلامی اور عقدی گروہوں نے جن میں اللہ تعالیٰ کی صفات کے حوالے سے اختلاف پیدا ہو چکا تھا تو در اصل یہ انہیں نظریات کی بدولت تھا جو انہوں نے مسیحی ادب اور کنیسین سے حاصل کیا تھا۔

جیسا کہ گولڈ زیہر لکھتا ہے:

و لا ريب أن هؤلاء الناس الاتقياء ويسمون المعتزلة قد وقعوا هونا في تعارض مع تصورات سائدة، بدت فيها الألوهية المجسمة غير منفصلة عن صفاتها، ولم تفهم القدرة الالهية فهما يختلف كثيرا عن قدرة سلطان يتصرف دون مسؤولية ، باختيار لا تحده بالقيود[6]

[6] Ignāz Goldziher, *Maḏāhib al-Tafsīr al-Islāmī*, p. 121.

"اور یہ بالکل واضح ہے کہ یہ لوگ، جو متقی اور معتزلہ کہلاتے ہیں، موجودہ تصورات کے ساتھ تعارض میں پڑ گئے تھے، جن میں خدائی صفات کو مجسم تصور کیا گیا تھا، اور خدا کی قدرت کو اس طرح نہیں سمجھا گیا جیسے ایک سلطان کی طاقت کو سمجھا جاتا ہے، جو بغیر کسی ذمہ داری کے اپنی مرضی سے عمل کرتا ہے، اور اس پر کوئی قید نہیں ہوتی۔"

یہ عبارت معتزلہ فرقہ کے تصورِ خدا کے بارے میں بیان کر رہی ہے۔ معتزلہ نے خدا کی صفات کو الگ الگ اور غیر مجسم طور پر سمجھا، جس کا مقابلہ اس وقت کے عام عقیدے سے تھا، جو خدا کی صفات کو جسمانی اور محدود تصور کرتا تھا۔ معتزلہ کے نزدیک خدا کی قدرت کو ایک بے حدود اور ذمہ داری سے آزاد طاقت کے طور پر نہیں بلکہ ایک اصولی اور قید شدہ اختیار کے طور پر سمجھا گیا، جو ان کے عقیدے کی اساس ہے۔

تفسیرات متصوفہ اور تصوف گولڈ زیہر کی نظر میں

گولڈ زیہر نے تصوف اور تفسیرات متصوفہ کو ایک ہی نظر سے دیکھا ہے، جناب کے نزدیک تصوف وحدۃ الوجود، انکار شریعت، حلول و اتحاد پر مبنی ہے اور اسے ثابت کرنے کے لیے افلاطونی آراء کو پیش کیا ہے۔ در اصل وہ ثابت یہ کرنا چاہتا ہے کہ مسلمانوں میں تصوف یونانی فلاسفر سے منتقل ہوا ہے یا مسلمانوں نے مسیحی راہبوں اور کنیسین سے حاصل کیا ہے۔ جیسا کہ گولڈ زیہر لکھتا ہے:

والتصوف الذي يتكون على هذا النحو إنما يعترف بوجود واحد يثبته للالوهية، أما العالم الفاني الكثير الصور والالوان فلا يختصه بواقعية حقة، إلا من حيث هي انعكاس او سفور وتجل لذلك الوجود الحقيقي الفذ وصيغة وحدة الوجود هي الاصطلاح العربي الفني على ذلك المذهب من إنكار الذات الذي تسمو إليه عقيدة التصوف في مجرى نموها المتدرج، والذي صار شعاراً مميزاً لمختلف قوالبها، وإن ظهر في صياغات مختلفة وفي انطباق أقل أو أكثر على مدلوله[7]

اسی طرح مندرجہ ذیل عبارت میں گولڈ زیہر تفسیر صوفی کو اہل کنیسہ سے منسوب کر رہے ہیں۔

يبدو أن هذا المذهب من التفكير يضع الأساس الشرعي المنطقي لكل اتجاه إلى الرمز والإشارة، وعلى ذلك الأساس أمكن أن يزدهر احتمال تفسير النص عن طريق الرمز والإشارة عند فيلون، كما عند الأب الكنسي أوريجن الذي التزم الدفاع عن هذا التفسير اتجاه المهاجمات الساحقة من قبل خصمه الوثني سلسوس[8]

پھر یہ بھی دعوی کیا ہے کہ صوفیاء کا فرقہ جو اخوان الصفاء کے نام سے مشہور ہے نے اپنے نظریات و افکار یہود سے لیے ہیں چناچہ صوفیاء کی تفاسیر اشاری یہودی لٹریچر سے ماخوذ ہے جیسا کہ لکھا ہے

[7] Ignāz Goldziher, *Maḏāhib al-Tafsīr al-Islāmī*, p. 201.
[8] Ignāz Goldziher, *Maḏāhib al-Tafsīr al-Islāmī*, p. 204.

وفي مثل هذه الأحوال يأخذ تفسيرهم الإشاري أيضا طابع تفسير" المدراش" عند اليهود "[9]

گویا کہ گولڈ زیہر کے نزدیک تفسیرات بالتصوف بھی یہود سے ہی لی گئی ہے جیسے کہ تسفیر بالماثور اور تفسیر بالرائے۔ موصوف نے تفسیر کی جن اقسام پر بحث کی ہے اسے یہود سے جوڑا ہے۔

الفرق الدینیة پر مشتمل تفاسیر پر گولڈ زیہر کا موقف

گولڈ زیہر نے مختلف فرقوں کی تفاسیر پر بحث کرتے ہوئے شیعہ اور خوارج کا بالخصوص تذکرہ کیا ہے اور یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہر فرقہ جو وہ چاہتا ہے اس کے متعلق قرآن کی آیت پیش کر دیتا ہے چاہے وہ موقف سیاسی ہو یا دینی مثال کے طور پر قرآن کی آیت والشجرة الملعونة فی القرآن کو پیش کیا ہے اور شیعہ کی جو اس سے مراد ہے واضح کیا ہے کہ اس سے مراد بنوامیہ ہیں۔

لیکن اس ضمن میں گولڈ زیہر نے تمام شیعوں کو تقدیس علی و آئمہ کے حوالے سے ایک ہی صف میں کھڑا کیا ہے حالانکہ ان میں تمام متفق نہیں ہیں بلکہ زیدیہ فرقہ تو اہل سنت سے صرف فقہی اور فرعی اختلافات رکھتا ہے نہ کہ اعتقادی۔

اس حوالے سے موصوف نے لکھا ہے:

> ذلك أن علماء الدين عند هذه الطائفة (الشيعة) أيضا لم يضنوا بجهد في سبيل أن يجدوا مبادئهم المميزة لعقيدتهم الدينية والسياسية ثابتة في القرآن على وجه إيجابي وجدلي كذلك، ومدار البحث في ذلك باديء ذي بدء على رفض خلافة اهل السنة، على اطراح هذه الخلافة والطعن في إقامتها تحت سيادة الأسر التاريخية للأمويين والعباسيين، ثم على تقديس علي والأئمة، أي الاعتقاد بمقامهم الألهي، وخصائصهم الخارقة للعادة وعلى أملهم العقدي في رجعة الإمام المهدي المحتجب الذي يعيش في الخطاء ثم يعود إلى العلانية من جديد في آخر الزمان على أنه المخلص للعالم[10]

گویا کہ اس عبارت میں گولڈ زیہر نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مسلمانوں کا تفسیر میں اختلاف ان کی سیاسی اور سماجی اختلاف کو ظاہر کرتا ہے نہ کہ وہ ان تفاسیر سے کوئی علمی فائدہ یا دینی ترقی چاہتے تھے۔

تمدن اسلامی کے تحت تفاسیر اور گولڈ زیہر کا موقف

گولڈ زیہر کے نزدیک تمدن اسلامی سے مراد مسلمانوں کا وہ معاشرتی دور ہے جو انیسویں اور بیسویں صدی پر مشتمل ہے جس وقت مغرب نے مسلمانوں پر چڑھائی کر رکھی تھی اور انہیں اپنے زیر تسلط کرنے کے لیے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ موصوف نے اسی تمدن کا مقابلہ یورپی تمدن سے کیا جو اندھیر نگری سے نکل کر کچھ ہی عرصہ قبل مادی ترقی کی راہ پر چل نکلا تھا۔

---

[9] Ignāz Goldziher, *Maḏāhib al-Tafsīr al-Islāmī*, p. 216.
[10] Ignāz Goldziher, *Maḏāhib al-Tafsīr al-Islāmī*, p. 386.

موصوف کی اصطلاح تمدن سے ابھی یہ واضح نہیں ہے کہ وہ اس سے کیا مراد لیتے ہیں کہ ان کے نزدیک عمارات، صنعت و حرفت اور تجارت کی ترقی ہے یا کچھ اور۔ البتہ اگر ان کی یہ مراد ہے تو پھر اہل اسلام ایک طویل عرصہ ایسی ترقی دنیا کو دے کر آئیں ہیں جس کی مثال نہیں ملتی بلکہ گولڈ زیہر کے آباء مسلم یونیورسٹیوں میں داخلے کے لئے بادشاہوں کے خط لکھوایا کرتے تھے۔ لیکن موصوف نے یہاں اپنے تمدن کا مقابلہ بغداد، دمشق، غرناطہ اور قرطبہ وغیرہ سے نہیں کیا بلکہ اس دور سے کیا ہے جب مغرب نے مسلمانوں پر جنگ مسلط کر رکھی تھی، لہٰذا یہ قریب انصاف تر کیسے ہوا۔ چناچہ اس ضمن میں سید امیر علی کی آراء کا تذکرہ کیا ہے جسے جدید معتزلہ بھی کہا جاتا ہے جن کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کا دین آج کے دور مقابلہ نہیں کر سکتا بلکہ دین کی تشریح عصر حاضر کے تقاضوں پر کی جانی چاہیے اور اس ضمن میں انہوں نے تعدد ازواج کا انکار کیا ہے۔ پھر اسی طرح گولڈ زیہر نے سیکولرزم سے متاثر بعض شخصیات کے حوالے دیے اسی طرح محمد عبدہ اور اس دور کے معاصر مفکرین کی آراء کو پیش کیا۔

گولڈزیہر اور تفسیر بالماثور میں مرجع اول کی حیثیت رکھنے والی شخصیات پر تنقید

اکثر مستشرقین کا طریقہ واردات یہ رہا ہے کہ وہ خود کو منصف مزاج کہلوانے کی شہرت حاصل کرنے کہ بعد اسلام کی معروف ہستیوں کا چناوں کرتے ہیں پھر ان پر طعن و تشنیع شروع کر دیتے ہیں تا کہ لوگوں میں ان ہستیوں کو متنازع بنا دیا جائے اور لوگ ان کے ذریعے پہنچنے والے علم کے بارے شکوک و شبہات کا شکار ہو جائیں۔ گولڈ زیہر نے بھی یہی طریقہ اپنایا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس کی شخصیت پر مختلف قسم کے اعتراضات کیے ہیں جن میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں:

گولڈزیہر کا دعوی کہ راوی کا چھوٹی عمر کا ہونا اس کی اہلیت پر اثرانداز ہوتا ہے

گولڈ زیہر کا یہ دعوی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت ابن عباس کی عمر ۱۰ سے ۱۳ سال کے درمیان تھی جبکہ اس وقت کبار صحابہ بھی موجود تھے تو یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ ایک چھوٹا بچہ بڑوں کی موجودگی میں اتنا علم حاصل کرے یا ان علوم پر دسترس حاصل کرلے جو بڑوں کی دسترس میں نہ تھے۔ مزید اپنی کتاب میں لکھا ہے:

> واخبار التفسير التى ترجع اليه تعد اكثر ماينالالايثار والتفضيل من تبيان لفهم القرآن ، وترى الرواية الاسلامية انه تلقى بنفسه فى التساله الوثيق بالرسول وجوه التفسير التى يوثق بها وحدها، وقد اغفلت ہذه الرواية بسهولة كما فى احوال الاخرى مشابهة ان ابن عباس عند وفاة النبى كان اقصى ما بلغ من السن ۱۰۔۔۱۳ سنة[11]

اپنے اس قول سے گولڈ زیہر نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس مقام کے لائق نہیں تھے جس پر مسلمانوں نے انہیں فائز کر رکھا ہے اس لیے کہ ان کی موجودگی میں کبار صحابہ موجود تھے جن سے کسب

[11] Ignāz Goldziher, *Maḏāhib al-Tafsīr al-Islāmī* (Qāhirah: Maktabah Khātījī, 1955), p. 84.

فیض کیا جانا چاہیے تھا اسی طرح مسلمان ابن عباس کی روایات کو ان کا نسب و شخصیت دیکھتے نقل کرتے ہیں اور تعظیما انہیں درست گردانتے ہیں۔

گولڈزیہر کا یہ دعوی کئی اعتبار سے درست نہیں ٹھہرتا اس لیے کہ علماء امت نے روایت کے قبول ورد کے قوانین بنائے ہیں جس کے تحت آنے والے ہر قول پر حکم لگایا جاتا ہے اور اس میں شخصیات کو نہیں دیکھا تھا اور نہ ہی کسی کے صغیر یا کبیر ہونے کی بنا پر اس پر حکم لگتا ہے بلکہ سن تحمل و سن روایت کے قوانین موجود ہیں۔ اس لیے عبد اللہ بن عباس سے مروی تمام روایات کو بغیر تحقیق کے نہیں لے لیا جاتا بلکہ پہلے ان کی چھان بین ہوتی ہے۔ اسی لیے علماء نے ان سے منسوب روایات کی وضاحت کی ہے کہ ان میں سے صحیح بھی ہیں اور موضوع بھی بلکہ ان سے مرویات صحیحہ کی تعداد ضعیفہ کی نسبت کم ہے۔ یہاں تک کہ امام شافعی کا قول ہے:

لم يثبت عن ابن عباس في التفسير الا شبيه بمئة حديث[12]

اگر صغر سنی کی بات کی جائے تو گولڈزیہر نے اپنا رسالہ بارہ سال کی عمر میں شائع کروایا جب کہ ان پر کسی نے تنقید نہیں کی بلکہ لوگوں نے انہیں ان کی صلاحیت کی داد دی اور وہ سب سے چھوٹے مستشرق بن کر ظاہر ہوئے۔

گولڈزیہر کا دعوی کہ عبداللہ بن عباس نے علم کو چھپایا:

گولڈزیہر نے عبد اللہ بن عباس کی اہلیت پر طعن کرتے ہوئے یہ دعوی کیا ہے کہ آپ علم کو چھپاتے تھے۔ آپ نے اپنی ذات کے لیے کوئی خاص علم چھپا رکھا تھا جسے وہ کسی کے سامنے ظاہر نہیں کرتے تھے۔ موصوف کا یہ دعوی ان کے اپنے اس قول سے ظاہر ہوتا تھا:

بيد انه روى ايضا ان ابن عباس قد احتفظ لنفسه بقطرات غزيرة كثيرة من بحر علمه واذا جازلنا ان نمنح الاخبار المروية عن اقواله في التفسير قبولا و تصديقا فهو لم يبح بمعارفه في كل مسئلة من المسائل فقد روى انه كان يكتم تفسير ما زكر عن (الروح) في الآية ٨٥ من سورة الاسراء ، قل الروح من امر ربي ، على انه سر من الاسرار۔[13]

ترجمہ" : یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ ابن عباس نے اپنے علم کے وسیع بحر میں سے بہت سی باتیں اپنے پاس رکھی ہیں، اور اگر ہم ان کے اقوال کو تفسیر کے حوالے سے قبول اور تصدیق کریں، تو وہ ہر مسئلے پر اپنی تمام معرفت کا اظہار نہیں کرتے تھے۔ اس بات کی روایت کی گئی ہے کہ وہ آیت 85 سورۃ الإسراء (**وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي**) کے تفسیر میں "روح" کے بارے میں اپنا علم چھپاتے تھے، کیونکہ یہ ایک راز تھا۔"

---

[12] Aḥmad ibn Ḥasan al-Bayhaqī, *Manāqib al-Shāfiʿī*, taḥqīq: Aḥmad Ṣaqr (Qāhirah: Maktabah Dār al-Turk, 1070 CE), 2:23.
[13] Ignāz Goldziher, *Maḏāhib al-Tafsīr al-Islāmī*, p. 91.

تجزیہ: اس عبارت میں ابن عباس کے علم کے بارے میں ایک خاص پہلو کو اجاگر کیا گیا ہے، یعنی انہوں نے بہت ساری تفسیرات اور علمی معلومات کو چھپایا اور ہر مسئلے میں اپنا مکمل علم ظاہر نہیں کیا۔ یہاں خاص طور پر سورۃ الإسراء کی آیت 85 "روح" کے بارے میں ان کی خاموشی کو ذکر کیا گیا ہے، جسے وہ ایک راز سمجھتے تھے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ابن عباس نے بعض مسائل پر اپنی وضاحت دینے میں احتیاط سے کام لیا، شاید اس لیے کہ وہ انہیں ایسی معلومات سمجھتے تھے جو عوامی طور پر شیئر کرنا مناسب نہیں سمجھتے تھے۔

گولڈزیہر نے جس بنیاد پر سیدنا ابن عباس پر طعن کیا ہے در اصل اس کی بنیاد ابن جریر کی یہ روایت ہے:

الطبری عن قتادة فی معنی قوله تعالی ویسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی قال ہو جبریل ثم قال قتادة و کان ابن عباس یکتمه[14]۔

جبکہ یہ روایت منقطع ہے اس لیے کہ قتادہ کا ابن عباس سے سماع ثابت ہی نہیں۔ قتادہ کی پیدائش ساٹھ ہجری ہے جبکہ ابن عباس اڑسٹھ ہجری میں اس دار فانی سے تشریف لے گئے گویا کہ ابن عباس کی وفات کے وقت قتادہ صرف آٹھ سال کے تھے۔ اس کی وضاحت علامہ ابن جریر طبری نے کی ہے بلکہ یہ صراحتاً موجود ہے قتادہ بصری ہیں جبکہ ابن عباس نے اپنے آخری ایام حجاز میں گزارے ہیں۔ یوں گولڈزیہر کا ناپاک ارادہ واضح ہو گیا کہ وہ صحیح روایات کو ترک کر کے منقطع روایات کا سہارا لیتے ہوئے مسلم شخصیات پر طعن کر رہے یہاں پر صحیح ترین روایت جسے گولڈزیہر نے نظر انداز کیا ہے وہ یہ ہے:

بينَا أنَا أمْشِي مع النبيِّ صَلَّى اللهُ عليه وسلَّمَ في خَرِبِ المَدِينَةِ، وهو يَتَوَكَّأُ علَى عَسِيبٍ معهُ، فَمَرَّ بنَفَرٍ مِنَ اليَهُودِ، فَقالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ: سَلُوهُ عَنِ الرُّوحِ؟ وقالَ بَعْضُهُمْ: لا تَسْأَلُوهُ، لا يَجِيءُ فيه بشيءٍ تَكْرَهُونَهُ، فَقالَ بَعْضُهُمْ: لَنَسْأَلَنَّهُ، فَقَامَ رَجُلٌ منهمْ، فَقالَ يا أبَا القَاسِمِ ما الرُّوحُ؟ فَسَكَتَ، فَقُلتُ: إنَّه يُوحَى إلَيْهِ، فَقُمْتُ، فَلَمَّا انْجَلَى عنْه، قالَ: (وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِن أمْرِ رَبِّي وما أُوتُوا مِنَ العِلْمِ إلَّا قَلِيلًا).[15]

اب اس صحیح روایت کو چھوڑ کر مسلمانوں کے ذہن میں تشکیک پیدا کرنے کے لیے ایسی روایت کا سہارا لیا جو ثابت ہی نہیں ہے۔ اپنی اس روش سے مستشرقین عموماً پکڑ لیے جاتے ہیں اور ان کے منصف یا معتدل نقاد ہونے کا راز افشا ہو جاتا ہے۔

عبداللہ بن عباس کے تفسیری مصادر اور گولڈزیہر کا موقف

گولڈزیہر نے عبداللہ بن عباس پر یہ تہمت لگائی ہے کہ وہ اپنی تفسیر اہل کتاب سے حاصل کیا کرتے تھے۔ اس لیے کہ اہل کتاب علم اور قرآن کے معانی کے فہم کے اعتبار سے لوگوں میں معروف اور مقبول تھے۔ اس بارے میں گولڈزیہر لکھتے ہیں: بہت سے مقامات ایسے ہیں جن کی تفسیر

[14] Muḥammad ibn Jarīr al-Ṭabarī, *Jāmiʿ al-Bayān fī Tafsīr al-Qur'ān*, taḥqīq: Aḥmad Muḥammad Shākir (Bayrūt: Muʾassasat al-Risālah, 2000 CE), 17:544.
[15] Al-Bukhārī, *Ṣaḥīḥ al-Bukhārī* (Bayrūt: Dār Ibn Kathīr, 1987), Kitāb Faḍl al-'Ilm, Bāb "Qawl Allāh Taʿālā: Wa mā ūtiytum min al-ʿilmi illā qalīlā," Ḥadīth: 135.

کے حوالے سے ابن عباس نے تفسیری علم ابو الجلد غیلان بن فروہ الازدی سے لیا ہے۔ اور اسی طرح ہی ابن عباس کے جو علمی مصادر ہیں ان میں دو یہودی جنھوں نے اسلام قبول کیا قابل ذکر ہیں جن کے نام کعب الاحبار اور عبد اللہ بن سلام ہیں۔[16]

یہ بات بالکل واضح ہے کہ عبد اللہ بن عباس نے اہل کتاب سے جو سوالات کیے ان کا تعلق نہ تو عقیدہ سے تھا نہ اصول دین سے بلکہ وہ بعض قصص اور اخبار تھے جن کے بارے میں اگر سوال کیا ہے تو ان کے جوابات کو قبول نہیں کیا الا کہ اس کے متن کو اسلامی اصولوں کے مطابق پرکھ لیا جو دین اور شریعت کے موافق تھا اس کو قبول کر لیا اور جو اس کے موافق نہ تھا اس کو چھوڑ دیا۔

بلکہ علامہ ذھبی عبد اللہ بن عباس کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ ابن عباس اتنی وسعت سے اسرائیلیات کو قبول یا نقل کریں بلکہ ابن عباس تو اس حوالے سے بڑی سختی کیا کرتے تھے جیسا کہ امام بخاری نے ابن عباس کا قول نقل کیا ہے جس میں انہوں نے فرمایا: اے مسلمانوں کی جماعت تم اہل کتاب سے کیسے سوالات کر سکتے ہو جبکہ تمہاری کتاب جو تمہارے نبی پر نازل ہوئی ہے وہ اللہ تعالی کی طرف سے زیادہ صحیح اور واضح ہے۔ اور اللہ نے تمہیں بیان کیا ہے کہ اہل کتاب نے وہ سب بدل کر رکھ دیا جو اللہ نے لکھا تھا اور اپنے ہاتھوں سے لکھ کر کہا کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے صرف تھوڑی سی قیمت کے بدلے۔ کیا پس وہ اس بارے میں تمہیں نہیں روکتا جو تمہارے پاس علم آ چکا ہے ان کو سوالات کے حوالے سے۔ اللہ کی قسم میں نے ان میں سے کوئی آدمی بھی نہیں دیکھا جو تم سے سوال کرتا ہو اس بارے میں جو تم پر نازل ہوا ہے۔[17]

گولڈزیہر کی اپنی کتاب میں عمومی اخطاء

موصوف نے اسلامی علوم میں خاص دلچسپی کے باعث کافی مطالعہ کیا ہے لیکن انہیں اصل مصادر پڑھنے کا شائد موقع میسر نہیں۔ بسا اوقات سہولیات کا فقدان سبب ہوتا یا پھر اصل مصادر کی طرف رجوع کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی یا پھر اگر مطالعہ صرف تنقید کرنے کی غرض سے کیا جائے تو تعصب ہی اصل مصادر سے روکے رکھتا ہے اس لیے کہ تحریک استشراق کے زیر اثر افراد کا طریق مطالعہ یہی رہا ہے ہاں البتہ کچھ ایسے مستشرقین بھی تھے جنھوں نے اصل مصادر کا مطالعہ کیا تو حقیقت ان پر منکشف ہوئی اور پھر ان کا تعصب انہیں اسلام قبول کرنے سے نہ روک سکا اور وہ تحریک استشراق کے اثر سے آزاد ہوئے۔ گولڈزیہر چونکہ ایک تحریک زیر اثر مطالعہ کر رہے تھے اور اس میں ان کی ذاتی دلچسپی نہ تھی اور ان کا مقصد مطاعہ حق کی تلاش نہ تھا بلکہ فقط تنقید تھا تو اس لیے ان سے اپنے غیر مذہب کو سمجھنے اور زیر قلم لانے میں بہت سی اخطا ہوئی ہیں جن میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں:

* کتاب میں بہت زیادہ تناقض ہے

---

[16] Ignāz Goldziher, *Maḏāhib al-Tafsīr al-Islāmī*, p. 86.
[17] Al-Dhahabī, *Al-Tafsīr wa al-Mufassirūn* (Qāhirah: Dār al-Kutub al-Ḥadīthah, 1968), 1:70–76.
Al-Bukhārī, *Ṣaḥīḥ al-Bukhārī*, Kitāb al-Shahādāt, Bāb "Lā yusʾal ahl al-shirk ʿan al-shahādah," Ḥadīth: 2685.

* مفرداتِ عربیہ کی تفہیم میں اخطاء ہیں
* مصطلحات اسلامیہ کا سوء فہم ہے
* مصادر اسلامیہ کے پیش کرنے میں دقت نظر نہیں ہے
* موضوع اور ضعیف روایات پر اعتماد کیا ہے

یہ وہ عمومی اخطاء ہیں جو گولڈزیہر سے مذاہب التفسیر الاسلامی میں کثرت سے واقع ہوئی ہیں۔ فضیلۃ الباحث مصطفی یوسف حسن نے اپنے رسالہ **القرآن و شبہات جولد زیہر** میں ان اخطاء کا دقت نظر سے تعاقب کیا ہے۔

تجاویز و سفارشات

1. مستشرقین کی کتب کا تنقیدی مطالعہ اسلامی اصولوں کے تناظر میں کیا جائے۔
2. اسلامی علوم و فنون کی اصل روح کو اجاگر کرنے کے لیے بین الاقوامی سطح پر سیمینارز کا انعقاد کیا جائے۔
3. مستشرقین کے اعتراضات کا جواب دینے کے لیے تحقیقی مراکز قائم کیے جائیں جو علمی مواد فراہم کریں۔
4. مسلم اسکالرز کو مستشرقین کی روش اور ان کے فکری پہلوؤں پر گہری نظر رکھنے کی تربیت دی جائے۔
5. اسلامی علوم کے دفاع کے لیے روایتی اور جدید وسائل کو بروئے کار لایا جائے۔

خلاصہ بحث

گولڈزیہر کی کتاب مذاہب التفسیر الاسلامی اسلامی تفسیری علوم کو نشانہ بنانے والی مستشرقین کی یلغار کا واضح نمونہ ہے۔ ان کے اعتراضات کا مقصد نہ صرف اسلامی مصادر کی حجیت کو مجروح کرنا تھا بلکہ مسلمانوں میں فکری انتشار پیدا کرنا بھی تھا۔ تاہم، اسلامی علوم کی مضبوط بنیادیں اور قرآن و سنت کی حفاظت کا الٰہی وعدہ مستشرقین کی ان کوششوں کو ناکام بناتا ہے۔ یہ تحقیق گولڈزیہر کے اعتراضات کو ان ہی کی تحریروں کی روشنی میں رد کرتی ہے اور اس بات پر زور دیتی ہے کہ مسلمانوں کو اپنی علمی روایات پر اعتماد کرنا چاہیے۔ تحقیق کا نچوڑ یہ ہے کہ اسلامی علوم کے دفاع کے لیے مضبوط تحقیقی رویہ اور روایتی اسلامی ذخیرے کا گہرا فہم ناگزیر ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Bibliography / کتابیات

* Yūsuf, Muṣṭafā. *Al-Qur’ān wa Shubuhāt.* Miṣr: Maktabah Khātījī, 1955.
* Goldziher, Ignāz. *Maḏāhib al-Tafsīr al-Islāmī.* Translated by Ḥasan Ḥanafī. Cairo: Maktabah Dār al-Turāth, 1984.
* Goldziher, Ignāz. *Maḏāhib al-Tafsīr al-Islāmī.* Edited by Joseph Schacht. Leiden: Brill, 1920.
* Bayhaqī, Aḥmad ibn Ḥasan al-. *Manāqib al-Shāfi‘ī.* Edited by Aḥmad Ṣaqr. Qāhirah: Maktabah Dār al-Turk, 1070 AH.

* Ṭabarī, Muḥammad ibn Jarīr al-. *Jāmiʻ al-Bayān fī Tafsīr al-Qur'ān.* Edited by Aḥmad Muḥammad Shākir. Beirut: Mu'assasat al-Risālah, 2000.
* Al-Bukhārī, Muḥammad ibn Ismāʻīl. *Ṣaḥīḥ al-Bukhārī.* Beirut: Dār Ibn Kathīr, 1987.
* Al-Dhahabī, Shams al-Dīn. *Al-Tafsīr wa al-Mufassirūn.* Cairo: Dār al-Kutub al-Ḥadīthah, 1968.
* Ibn Kathīr, Ismāʻīl ibn ʻUmar. *Tafsīr al-Qur'ān al-ʻAẓīm.* Cairo: Dār al-Fikr, 1992